پاکستان میں سود کے خاتمے کی جدوجہد

عبدالہادی احمد ○

یکم جولائی ۱۹۴۸ءکو سٹیٹ بنک آف پاکستان کے افتتاح کے موقعے پر قائداعظمؒ نے اپنی زندگی کی آخری تقریر فرمائی تھی، جس میں انھوں نے ملک میں مغرب کے سُودی نظام کی جگہ اسلامی معاشی نظام کو نافذ کرنے کا عزم ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

I shall watch with keenness the work of your Research Organisation in evolving banking practices compatible with Islamic Ideals of social and economic life. The economic system of the West has created almost insoluble problems for humanity and to many of us it appears that only a miracle can save it from disaster that is now facing the world.

میں انتہائی توجہ سے آپ کے تحقیقی ادارے کے کام کا جائزہ لیتا رہوں گا، جو وہ بنکاری نظام کو اسلام کے معاشرتی اور معاشی اصولوں پر ترتیب دینے میں سرانجام دے گا۔ مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لیے ایسے لاینحل مسائل پیدا کر دیے ہیں کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کو نظر آتا ہے کہ آج کی دنیا کو جس تباہی کا سامنا ہے، کوئی کرشمہ ہی اس سے بچا سکتا ہے۔

اسی خطاب میں قائدمحترم نے اہل پاکستان کو دنیا کی رہنمائی کرنے کی طرف بھی ان الفاظ میں متوجہ کیا تھا: ''مغرب کے اقتصادی نظام کے نظری اور عملی طریق کار کو اختیار کرنا ہمارے لیے بے سود ہوگا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایک نئی راہِ عمل اختیار کریں اور دنیا کے سامنے ایک ایسا اقتصادی نظام پیش کریں، جو انسانی اخوت اور سماجی انصاف کے صحیح اسلامی نظریات پر مبنی ہو''۔

○ سابق مدیر اعلیٰ جہاد کشمیر، راولپنڈی

۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو جب قرارداد مقاصد کی منظوری دی گئی، تو دراصل یہ پاکستان سے سُود سمیت مغرب کے تمام اسلام دشمن نشانات کو ختم کرنے کا آغاز تھا۔ ۲ مارچ ۱۹۸۵ء کے بعد تو یہ قرارداد دستور کا رُو بہ عمل جزو بنا دی گئی ہے۔ بدقسمتی سے قائداعظمؒ قیام پاکستان کے بعد صرف تیرہ ماہ زندہ رہے۔ بانیٔ پاکستان کی وفات سے بڑا سانحہ یہ ہوا کہ ان کے مقتدر رفقا نے بعض صورتوں میں گومگو کی کیفیت میں، بعض حوالوں سے دانستہ طور پر ملک کو ان کے نظریات سے کاٹ دیا۔

اللہ اور رسولؐ کے خلاف جنگ

گذشتہ پون صدی سے سود کے خلاف یہ جنگ مسلسل جاری ہے، مگر ہماری بے بسی اور کج فہمی دیکھیں، پھر بھی اس پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ''پاکستانی عوام تباہ حال کیوں ہیں؟ پاکستان کے معاشی، سماجی اور سیاسی حالات اتنے ابتر کیوں ہیں؟'' ہم اس کا یہ جواب کیوں نہیں جانتے کہ اللہ اور رسولؐ سے جنگ کوئی نہیں جیت سکتا۔

وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ سے دو مرتبہ یہ فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ سُود، اللہ کے واضح احکام کے خلاف ہے، یہ اللہ اور رسولؐ کے خلاف جنگ ہے۔ پاکستان کی سب سے بڑی عدالت حکم دے چکی ہے کہ ''سُود سے پاکستان کے قومی مالیاتی نظام کو پاک کر دیا جائے۔ یہ آئینِ پاکستان کی رُو سے بھی ناجائز اور ممنوع ہے''۔ عدالت عظمیٰ نے حکومت پاکستان کو متعین مدت کے اندر اندر تمام مالیاتی اداروں اور بنکوں میں سُودی معیشت کو ختم کرنے اور اسلامی مالیاتی نظام کو رائج کرنے کا حکم دیا تھا۔ تاہم، تمام حکومتوں نے اللہ اور رسولؐ کے احکام سے علانیہ بغاوت کی اور اعلیٰ عدالتی فیصلوں کو غتربود کرنے کے لیے کئی بار ناپاک سازشیں رچا کر سُود جیسی ناپاک معیشت کو جاری وساری رکھا۔

پاکستان کی مالیاتی بنیاد میں خرابی

پاکستان قائم ہوا تو ہندستان نے شروع ہی سے اسے شدید مادی اور عسکری نقصانات سے دوچار رکھا۔ اثاثوں کی تقسیم میں بھارتی لیڈرشپ نے ڈنڈی ماری، فوجی ساز وسامان کی تقسیم کے ساتھ ساتھ ہندستان کے مرکزی بنک میں موجود چار ارب روپوں میں سے پاکستان کا حصّہ ایک ارب روپیہ غتربود کیا گیا۔ لیاقت علی خان نے مشترکہ ہندستان کا آخری وفاقی بجٹ پیش کیا تھا۔ پاکستان کے پہلے مالی سال ۴۹-۱۹۴۸ء کا ۸۹ کروڑ ۵۷ لاکھ روپے حجم کا ،۱۱کروڑ روپے

خسارے کا بجٹ تھا۔ ہندستان کی طرف سے مالی خیانت کے باوجود مالی سال کے خاتمے تک پاکستان مالیاتی بحران سے نکل آیا تھا۔ تاہم، پاکستان کے مالیاتی نظام اور معیشت میں سود کو شامل رکھا گیا۔ مالی سال ۵۰-۱۹۴۹ء کا دوسرا قومی بجٹ ایک ارب ۱۱ کروڑ کا بغیر خسارے کا بجٹ تھا۔ اس کے بعد ۱۹۶۹ء تک تمام قومی بجٹ خسارے سے پاک تھے۔ یہاں تک کہ سقوطِ ڈھاکہ کے ایک برس بعد ۷۳-۱۹۷۲ء کا پہلا قومی بجٹ بھی خسارے سے پاک اور بچت کا بجٹ تھا، اگرچہ اس بجٹ میں سعودی عرب اور لیبیا کی بھاری مالی امداد شامل تھی۔ بہرحال اس میں ۱۸ کروڑ کی بچت دکھائی گئی تھی۔ لیکن سودی معیشت ہمارے نظام حکومت میں اوپر سے نیچے تک موجود رہی۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام سے لے کر آج تک ملک کو سود سے نجات دلانے کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ اگرچہ یکے بعد دیگرے تشکیل دیے گئے تینوں دساتیر میں سُود کو جلدازجلد ختم کرنے کے عزائم ظاہر کیے گئے۔ ۱۹۶۲ء کے آئین کے آرٹیکل ۲۰۴ کے تحت 'اسلامی مشاورتی کونسل' قائم کی گئی، جس کا نام ۱۹۷۳ء کے آئین میں بدل کر 'اسلامی نظریاتی کونسل' کر دیا گیا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کی شق نمبر ۲۲۷ کے مطابق: ''پاکستان میں قرآن وسنت سے متصادم کوئی بھی قانون نہیں بنایا جائے گا''۔ پھر اسلامی نظریاتی کونسل کے فرائض میں ایسی سفارشات پیش کرنا شامل ہے کہ جن سے مسلمانانِ پاکستان کو ایسی رہنمائی مل سکے کہ ''وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں اسلام کے سنہری اصولوں کے تحت بسر کرسکیں''۔ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کی ذمے داری ہے کہ وہ کونسل کی سفارشات کو قانونی شکل دیں۔ اب تک کونسل کے ۲۱۱ اجلاس ہوچکے ہیں۔ کونسل نے قانونی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظاموں کا جائزہ لے کر ساڑھے ۶ ہزار سفارشات مرتب کی ہیں۔ تاہم، صرف ۹۰ سفارشات پر عمل ہوسکا ہے۔

سُود کا خاتمہ---اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات

سُود کو ختم کرنے کے بارے میں اسلامی مشاورتی کونسل نے پہلی سفارشات ۱۹۶۹ء میں پیش کی تھیں، لیکن ان پر کبھی عمل درآمد نہ ہوسکا۔ اس رپورٹ کے آٹھ سال بعد ستمبر ۱۹۷۷ء میں جنرل محمد ضیاء الحق نے 'اسلامی نظریاتی کونسل' سے رجوع کیا۔ انھوں نے کونسل کو سود کے خاتمے کی سفارشات پیش کرنے اور ایسے متبادل طریقے تجویز کرنے کے لیے کہا، جن پر عمل کر کے سود جیسی

لعنت کا خاتمہ کیا جاسکے۔ بظاہر ایسا لگتا تھا کہ جنرل ضیاء الحق سود کے خاتمے کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں، مگر جلد ہی یہ تاثر زائل ہوگیا۔سُود کے خاتمے کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل نے علما، بنک ماہرین اور اقتصادی ماہرین سے طویل مباحث اور عالمی سطح پر اس مسئلے کی پیچیدگیوں کے گہرے مطالعے کے بعد اپنی دوسری رپورٹ کو حتمی شکل دی اور ۲۵ جون ۱۹۸۰ءکو یہ رپورٹ جنرل ضیاءکوپیش کردی گئی۔ رپورٹ کے ساتھ سودی نظام کا متبادل اور قابلِ عمل مالیاتی نظام کا خاکہ بھی پیش کیا گیا،جس پر عمل درآمد سے دوسال کے اندر اندر ہدف حاصل ہوسکتا تھا۔

۱۹۸۰ء کے اواخر میں اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے تمام تجارتی بنکوں کو یہ حکم جاری کیا کہ’’۱۹۸۱ء سے وہ اپنے تمام معاملات غیرسودی بنیادوں پر قائم کرنے کے پابند ہوں گے‘‘۔ اسٹیٹ بنک کے اس حکم نامے کے پیش نظر حکومتی تحویل میں موجود تجارتی بنکوں نے نفع ونقصان پر مبنی پی ایل ایس اکاؤنٹ کے نام سے غیرسودی کھاتے کھولنے کی اسکیم شروع کی اوراس بات کا عندیہ دیا کہ:’’رفتہ رفتہ پورے بنکاری نظام کو غیرسودی نظام میں تبدیل کردیا جائے گا‘‘۔تاہم، وقت گزرتا رہا،مگر کوئی ٹھوس تبدیلی سامنے نہ آئی۔۱۹۸۳ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے جسٹس تنزیل الرحمٰن کی سربراہی میں ہونے والے اجلاس میں حکومت کو یاد دلایا کہ’’۱۹۷۹ء میں سودی معیشت کے خاتمے کے لیے تین سال کی مقرر کی گئی مدت دسمبر ۱۹۸۱ء میں ختم ہوگئی ہے،لیکن سودی نظام نہ صرف ختم نہیں ہوا بلکہ حکومتی اقدامات سودی نظام کے استحکام کا سبب بن رہے ہیں‘‘۔

غیر ملکی سُودی قرضے تباہی کا پیش خیمہ

پاکستان میں غیرملکی منحوس سُودی قرضوں کی شروعات ۱۹۵۲ء میں ہی ہوگئی تھی،لیکن یہ چندلاکھ سے زیادہ نہ تھے۔سودی معیشت کی نحوست بھی پاکستان کے مالیاتی نظام میں شروع ہی سے موجودتھی۔یہی وجہ تھی کہ ۱۹۵۶ء میں پاکستان کا پہلا دستور منظور ہوا،تو اس کی دفعہ ۲۸-الف میں کہا گیا تھا کہ’’ریاست سُود اورسُودی معیشت کو بہ عجلت ختم کرنے کی کوشش کرے گی‘‘۔جنرل محمدایوب خان ۱۹۵۶ء کے آئین کوتوڑ کرملک پر قابض ہوئے اور ۱۹۶۲ء میں اپنادستورنافذ کیا۔اس آئین کے پالیسی اصولوں میں اصول نمبر ۱۸ میں سُودکوفی الفورختم کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ایوب خان کا دستورکم وبیش دس برس نافذ رہا،مگر نہ تو ایوب خان، نہ ان کے جانشین یحییٰ خان نے سُودختم کرنے

میں کوئی دل چسپی دکھائی۔ ان کے بعد ذوالفقار علی بھٹو آئے، جن کے دور میں ۱۹۷۳ء کا آئین بنا اور نافذ ہوا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۳۸-الف میں بھی سُود کو ختم کرنے کا عزم ظاہر کیا گیا تھا،مگر نہ تو بھٹو اور ضیاء الحق نے دستور کا یہ تقاضا پورا کیا، نہ ان کے بعد آنے والے حکمرانوں نے ملک کو سُود کی نحوست سے نکالنے کی کوئی سنجیدہ کوشش کی۔ بلکہ پے درپے ایسے اقدامات کیے گئے، جن سے معیشت پر سُودی نظام کی گرفت مستحکم ہوئی اور ملک اقتصادی طور پر تباہی سے دوچار ہوا۔

افغان جہاد کے دوران پاکستان کو اربوں ڈالر کی امداد اور آسان شرائط پر سُودی قرضے ملتے رہے، ضیاء دور میں پاکستان کو ریکارڈ غیرملکی مالی امداد اور آسان شرائط پر قرضے ملے،مگر ملکی معیشت ڈوبتی رہی، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط (البقرہ ۲:۲۷۶) ’’اللہ سُود کو مٹاتا اور صدقات میں اضافہ فرماتا ہے‘‘۔ اگر جنرل ضیاء چاہتے کہ سُود ختم ہو، تو انھیں سُود کی لعنت سے ملک کو نجات دلانے کا بہترین موقع ملا تھا،مگر انھوں نے یہ موقع گنوا دیا۔ انھوں نے بار بار اسلامی نظام کے نفاذ کا عندیہ دیا،مگر سُود کے خاتمے کے لیے سنجیدہ کوشش نہ کی۔

پاکستان کی سپریم کورٹ نے صدر جنرل ضیاء کو آئین میں ترمیم کا اختیار دے دیا۔ انھوں نے اس اختیار سے کام لیتے ہوئے اپنے مارشل لا کے دوران قانون سازی کو تحفظ دینے کے لیے آئین میں آٹھویں ترمیم کی۔ جس کی رُو سے صدر پاکستان کو اضافی آئینی طاقت میسر آ گئی۔ ’وفاقی شرعی عدالت‘ قائم کی گئی اور سپریم کورٹ میں ’شریعت اپیلٹ بنچ‘ بھی بنایا گیا،لیکن انھوں نے وفاقی شرعی عدالت پر یہ پابندی لگا دی کہ ’’دس سال تک مالی معاملات میں شریعت کے حوالے سے یہ کوئی مقدمہ نہیں سنے گی‘‘۔ یاد رہے شریعت کورٹ ۱۹۸۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ ۱۹۹۰ء میں عدالت پر سے سود کے خلاف مقدمات سننے کی پابندی ختم ہوئی۔

سُود کا مقدمہ شریعت کورٹ میں

۲۶ جون ۱۹۹۰ء کو شرعی عدالت کا مالیاتی قوانین کی سماعت کرنے کا اختیار بحال ہو گیا۔ پابندی اُٹھتے ہی ایک شہری محمود الرحمٰن فیصل نے وفاقی شرعی عدالت میں پٹیشن نمبر ۳۰/آئی داخل کی اور استدعا کی کہ ’’عدالت رائج الوقت سودی نظامِ معیشت کو غیر اسلامی قرار دے کر اس پر پابندی عائد کر دے اور حکومت کو ہدایت کرے کہ وہ پاکستان کے معاشی نظام سے سُود کا چلن ختم

کر دے''۔ ۱۱دسمبر ۱۹۹۰ءکو شریعت کورٹ نے پٹیشن باقاعدہ سماعت کے لیے منظور کی۔ عدالت نے سود کے مقدمے کی سماعت شروع کی ،تو بہت سے دوسرے ادارے، اشخاص، قانون دان اور خود حکومت اس طرف متوجہ ہوئی اور عدالت کے پاس ۲۰ سُودی قوانین کے خلاف ۱۱۵مقدمات جمع ہوگئے۔ چنانچہ وفاقی شرعی عدالت نے ان سب مقدمات کی مشترکہ سماعت شروع کی۔

وفاقی شرعی عدالت میں چالیس سے زیادہ وکلا نے سُود کے خلاف دلائل دیے۔ سُودی معیشت کو زندہ رکھنے کے حامی وکلا بھی بڑی تعداد میں آئے۔ ان میں وفاق اور صوبوں کے علاوہ مختلف مالیاتی اداروں اور بنکوں کے وکیل بھی شامل تھے ،جنھوں نے بھاری فیسیں لے کر قرآن و سنت کے واضح احکام کے خلاف موشگافیاں پیش کیں۔ ۶۰ کے قریب افراد سُود کے خلاف اپنی درخواستوں کے ساتھ اصالتاً پیش ہوئے۔ ان سب کا اس پر اتفاق تھا کہ ''جب تک سُودی معیشت سے آزادی نہیں ملے گی، ملک پر معاشی تباہی کے سائے منڈلاتے رہیں گے''۔

پاکستان کے مختلف افراد، جماعتوں اور اداروں نے سُود کے ۲۰ قوانین کے خلاف درخواستیں پیش کیں۔ ان میں سے آٹھ قوانین انگریزی دور کے اور بارہ قیام پاکستان کے بعد کے تھے، جب کہ سُود کے تین قوانین کے خلاف عدالت نے خودنوٹس لیا۔ عدالت نے مقدمے کی سماعت کے آغاز میں ہی تیرہ نکاتی سوال نامہ مرتب کر کے علما، سکالرز، دانش وروں، ماہرین اقتصادیات اور مالیاتی اداروں کو بھیج دیا تھا۔ ان حضرات نے تحریری جوابات بھی دیے اور بعض نے عدالت میں پیش ہوکر اپنے دلائل بھی پیش کیے۔ سٹیٹ بنک کے حسن الزمان، الائیڈ بنک کے سابق صدر خادم حسین صدیقی اور ڈاکٹر محمد غدیر نے سُود کی تمام شکلوں کو حرام کہا۔ انھوں نے کہا: ''مغربی ماہرین معاشیات کے زیر اثر 'سُود' اور 'ربا' کو الگ کیا جارہا ہے، ورنہ یہ دونوں ہی یکساں ہیں اور اسلام کی رُو سے دونوں حرام ہیں''۔ انھوں نے کہا: ''مشارکہ اور مضاربہ کے طریقوں سے مالیاتی اداروں اور بنکوں کا کاروبار بھی چلایا جاسکتا ہے اور ملک سُود کی لعنت سے بھی نجات پا سکتا ہے''۔

سُود کے حق میں خالد اسحاق کے دلائل

معروف قانون دان خالد ایم اسحاق، نیشنل بنک آف پاکستان اور اسٹیٹ لائف انشورنس کی طرف سے پیش ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ ''پاکستان کے بنک، سٹیٹ بنک کے تیار کردہ فریم ورک

کے ماتحت کام کرتے ہیں، جسے اسلامی نظریاتی کونسل کی تائید وتوثیق حاصل ہے''۔حالانکہ انھوں نے جس رپورٹ کو حوالے کے طور پر پیش کیا، وہ اسلامی نظریاتی کونسل کے بجائے وزارت خزانہ کا پیش کردہ حکومتی نقطۂ نظر تھا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے کبھی اس کی توثیق و تصدیق نہیں کی۔ خالد اسحاق کو جب اس جانب توجہ دلائی گئی تو انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ''میرے پاس مکمل رپورٹ نہیں تھی، اس لیے غلطی ہوگئی''۔

جناب خالد اسحاق نے یہ نکتہ بھی اُٹھایا کہ ''افراطِ زر سے مال میں جو کمی واقع ہوجاتی ہے، اس کی تلافی کے لیے جو رقم بڑھائی جاتی ہے، اسے ربا میں شامل نہیں کیا جاسکتا''۔ پھر ''بنک جو منافع حاصل کرتے ہیں، اس منافع کو ربا اور سُود نہ کہا جائے کہ بنک تو قوم کے پیداواری عمل میں حصّہ لیتے ہیں''۔خالد اسحاق نے سُود کو جائز ثابت کرنے کے دلائل پیش کیے، لیکن وہ اپنے حق میں کسی ایک آیت یا حدیث کا حوالہ پیش نہ کرسکے۔وفاق پاکستان اور بنکنگ کونسل کے وکیل نے بھی بنکوں کے سُود کو درست ثابت کرنے کے لیے پورا زور لگایا۔

ڈاکٹر سید اسعد گیلانی نے اپنے تحریری دلائل میں بتایا کہ ''اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات میں بار بار سود کی ہر شکل کو حرام قرار دے کر فی الفور ختم کرنے کی بات کی گئی ہے۔ کونسل نے جنرل ضیاء الحق کو سُود کی مکمل ممانعت کے آرڈی ننس کا مسودہ تک بھیج دیا اور تجویز کیا تھا کہ ۳۰ جون ۱۹۸۴ء تک سُود پر مکمل پابندی عائد کر دی جائے''۔ ڈاکٹر اسعد گیلانی نے صدرمملکت کو کونسل کی طرف سے پیش کردہ اس سفارش کا حوالہ بھی دیا جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ ''چونکہ ربا کی ہر شکل اسلام میں حرام ہے، اس لیے وہ غیرملکی بنکوں اور مالیاتی اداروں کو بات چیت کے ذریعے غیرسودی لین دین پر قائل کریں۔خدانخواستہ ایسا ممکن نہ ہو تو ایسا لین دین ختم کر دیا جائے اور کسی قسم کے خسارے کو خاطر میں نہ لایا جائے''۔مولانا گوہر رحمان نے سود کے خلاف اپنے دلائل میں قرآن مجید، حدیث اور اسلامی تاریخ سے ٹھوس حوالے پیش کیے۔عدالت نے ان درخواست گزاروں کو بھی سنا، جن کی طرف سے وکیل پیش نہیں ہوئے۔ان کی اکثریت نے سورۂ بقرہ کی آیات ۲۷۸ اور ۲۷۹ کا حوالہ دیا اور کہا: ''ہم نے سود اور سُودی معیشت کو جاری رکھ کر دراصل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے جنگ چھیڑ رکھی ہے، اسے فی الفور ختم کیا جائے''۔

شرعی عدالت کا تاریخی فیصلہ

تقریباً ایک برس پر پھیلی طویل سماعتوں کے بعد وفاقی شرعی عدالت نے ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو سود کے خاتمے کا تاریخی فیصلہ دیا۔ شرعی عدالت کے چیف جسٹس تنزیل الرحمان نے فیصلہ سناتے ہوئے سود اور سودی نظام کے مکمل خاتمے کا اعلان کیا اور سُود پر مبنی ۲۳ قوانین قرآن وسنت کے منافی ٹھیراتے ہوئے کالعدم قرار دیے۔ شرعی عدالت کے فیصلے میں کہا گیا کہ ''بنکوں کے منافع سمیت سُود ہر شکل میں حرام ہے، خواہ اسے منافع کہا جائے یا 'مارک اَپ' کا خوب صورت نام دیا جائے''۔ عدالت نے حکومت کو سُودی قوانین کی متبادل قانون سازی کے لیے چھے ماہ کی مہلت دی اور فیصلے میں واضح کردیا کہ ''یکم جولائی ۱۹۹۲ء سے متذکرہ قوانین خود بخود کالعدم ہوجائیں گے''۔

حکومت اور اس کے معاون مالیاتی اداروں نے پہلے تو خاموشی اختیار کیے رکھی، مگر جب چھے ماہ کی حتمی مدت ختم ہونے کا وقت آگیا تو اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں پے در پے اپیلیں دائر کردی گئیں۔ نواز شریف کی وفاقی حکومت خود بھی سود خواروں کی تائید میں اپیل لے کر سپریم کورٹ پہنچ گئی۔ جنرل ضیاء الحق نے ۱۹۸۴ء میں ایک صدارتی حکم کے ذریعے شریعت کورٹ کے فیصلوں کی جو قدر و قیمت گھٹائی تھی، اس کے خراب نتائج اب برآمد ہوئے۔ سپریم کورٹ میں اپیل داخل ہوتے ہی درخواست گزاروں کو 'حکمِ امتناعی' (Stay Order) مل گیا۔ اب یہ حکمِ امتناعی اس وقت تک موثر تھا، جب تک وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل نمٹا نہ دی جاتی۔

شریعت کورٹ کا فیصلہ آجانے کے بعد انصاف پسندی اور آئین کی پابندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ حکومت اپنی استدعا پر حاصل ہونے والی مہلت کا فائدہ اٹھاتی، خلوصِ نیت سے کام لیتی اور سُودی قوانین کی تبدیلی کا کام مکمل کرتی، لیکن اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں کی گئی، بلکہ حسبِ معمول سُود کی بنیاد پر نئی اسکیمیں بنتی رہیں، پرانی سودی اسکیموں کو جاری رکھا گیا اور ملک اور بیرونِ ملک سے سُود پر نئے قرضے حاصل کیے جاتے رہے۔

حکومت پاکستان نے شریعت اپیلٹ بنچ میں دعویٰ پیش کیا کہ ''وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے میں بہت سے قانونی نقائص رہ گئے ہیں، اس لیے اس پر نظرثانی کی جائے''۔ تاہم، عدالت عظمیٰ نے جیسے ہی شرعی عدالت کے فیصلے پر عمل درآمد روکا، تو فیصلے کے خلاف اپیل کرنے والے خاموش ہوکر

بیٹھ گئے۔ اگلے سات آٹھ برس کے دوران تین حکومتیں آئیں اور گئیں، مگر کسی نے نظرثانی کے مقدمے کو 'چھیڑنے' یعنی سماعت شروع کرنے کا مطالبہ نہیں کیا۔ جماعت اسلامی اور دیگر مدعی اداروں نے آواز اُٹھائی، جو صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔ حکومتی ایما پر یہ باب بند رکھا گیا۔

شرعی عدالت کے فیصلے پر نظرثانی

درحقیقت نواز شریف کی حکومت، شرعی کورٹ کے فیصلے کے نفاذ کو روکنا چاہتی تھی۔ جب یہ مقصد حاصل ہوگیا، تو اب ان کی خواہش کے عین مطابق نظرثانی کا معاملہ عدالتی فائلوں میں دبا رہا۔ نظرثانی کے مقدمے کی سماعت ساڑھے سات برس (مارچ ۱۹۹۹ء) تک ملتوی رہی۔ مارچ ۱۹۹۹ء میں سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ نے مقدمے کی باقاعدہ سماعت شروع کی۔ سماعت شروع کرنے کی وجہ حکومت کے مُوڈ کی تبدیلی نہ تھی، بلکہ سپریم کورٹ کے جس اپیلٹ بنچ کی تشکیل ہوئی، اس کے جج اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خوف سے آزاد نہ تھے۔

اس اپیلٹ بنچ نے اپنے فرض منصبی کا تقاضا سمجھ کر شرعی عدالت کے فیصلے پر غوروفکر کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلے فیصلے کے خلاف دائر کی گئی سب اپیلوں کو یک جا کیا گیا، پھر ان کے اُٹھائے ہوئے سوالات پر تفصیلی بحث کی گئی۔ ماضی کی عدالتی کارروائی فاضل ججوں کے سامنے تھی۔ وہ سب یہ بھی جانتے تھے کہ سود کے مسئلے کو قرآن وسنت کی روشنی میں ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ کسی حتمی فیصلے تک پہنچنے کے لیے انھوں نے سُود کے بارے میں دنیا بھر کے جید علما اور ماہرین معاشیات کا نقطۂ نظر جاننا ضروری سمجھا۔ علما اور اقتصادی ماہرین کو عدالت کی رہنمائی کرنے کی دعوت دی گئی، جنھوں نے اپنے زبانی اور تحریری دلائل کے ذریعے عدالت کی بھرپور مدد کی۔ کئی ایک نے عدالت میں سود کی حرمت کے حق میں اور دوسروں نے اس کے خلاف مقالات اور تقاریر کے ذریعے دلائل پیش کیے۔ اتنے بڑے پیمانے پر یہ کام اس سے پہلے تاریخ انسانی میں کبھی نہ ہوا تھا۔ اس طرح فیصلہ دینے سے پہلے فاضل ججوں کو نہ صرف سُودی نظام کے بارے میں شرعی احکام وحقائق سے آگاہی ملی، بلکہ اسلامی بنکاری نظام کا ایک مربوط خاکہ بھی عدالت کے سامنے آگیا، جس کو اپنا کر بنکوں سے سودی نظامِ زر کا خاتمہ کیا جاسکتا تھا۔

اقتصادی ماہرین اور علمائے کرام کی آراء

عدالت کے رُوبرو پیش ہونے والے قرآن وسنت کے علما اور جدید ماہرین معاشیات کے مابین ایک طویل صحت مندانہ مکالمہ ہوا:

ڈاکٹر وقار مسعود صاحب نے بین الاقوامی حاصل کردہ قرضوں میں سود کی کمٹ منٹ کو پورا نہ کرنے کی صورت میں کہا: ''اس کے نتیجے میں، مستقبل میں حاصل ہونے والے تمام قرضوں سے محروم رہ جانے کے لیے تیار رہنا چاہیے''۔

ڈاکٹر عمر چھاپرا صاحب نے واضح کیا کہ ''مشارکت اور مضاربت کے اسلامی اصولوں کو جدید معاشیات کی روشنی میں ترقی دے کر جدید بنکاری نظام بنایا جاسکتا ہے''۔

حافظ عبدالرحمان مدنی صاحب نے کہا: ''ابتدائے نبوت ہی سے سود کی نوع بہ نوع صورتوں کی تدریجاً حرمت کا موقف اختیار کرلیا گیا تھا''۔

پروفیسر خورشید احمد صاحب نے کہا: ''پوری دنیا میں سودی نظامِ زر کا جہاز آہستہ آہستہ غرقاب ہورہا ہے۔ موجودہ سودی نظامِ آیندہ نصف صدی کے اندر اندر پوری دنیا میں ناکام ہوجائے گا۔ دنیا بھر کے اقتصادی ماہرین جس نئے مالیاتی نظام پر متفق ہورہے ہیں وہ اسلامی نظامِ زر سے بہت قریبی اور حیرت انگیز مماثلت رکھتا ہے''۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پروفیسر خورشید احمد غیر سودی بنیاد پر کام کرنے والے ایک مکمل اور جدید بنک کا خاکہ تیار کرکے حکومتِ پاکستان کو پہلے ہی پیش کرچکے ہیں۔

شیخ القرآن مولانا گوہر الرحمان نے عدالت کی جانب سے جاری کیے جانے والے دس سوالات کی روشنی میں اپنا ایک مبسوط مقالہ عدالت میں پیش کیا اور نہایت مدلل انداز میں جدید بنکاری میں اختیار کیے گئے طریقوں کا تجزیہ کیا اور بعثتِ محمدی کے وقت رائج مماثل اشکالِ تجارت سے ان کا موازنہ کرتے ہوئے رائے دی کہ ''انڈیکسیشن اور مارک اَپ وغیرہ اسلامی شریعت کی رُو سے قطعاً حرام اور ممنوع ہیں؛ لہٰذا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ان کا چلن فی الفور ختم ہونا چاہیے''۔

معروف قانون دان محمد اسماعیل قریشی نے کہا: قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے مطابق سود اپنی تمام تر اَشکال کے ساتھ مطلقاً حرام قرار پاچکا ہے۔ بیع موجل، بائی بیک، مارک اَپ، انڈیکسیشن، ڈی ویلیوایشن، ڈی نامی نیشن اور بنک کمیشن سمیت تمام جدید

اَشکال سودی نظام ہی کی توسیع اور حرام وممنوع ہیں''۔

مولانا عبدالستار خان نیازی نے کہا: اسلام نے سود کی ہرشکل کو مکمل طور پر حرام قرار دیا ہے۔ بیرونی ممالک سے سود پر قرضے حاصل کرنا بھی اسلامی حکومت کے لیے ناجائز اور ممنوع ہے''۔

معروف وکلا اور قانونی ماہرین کے علاوہ جید علمائے کرام بحث میں شریک ہوئے اور قرآن و حدیث کی تفاسیر اور شروح کے علاوہ جدید معاشی کتب کے حددرجہ قیمتی ذخیرے سے نہایت اہم اقتباسات کی نقول عدالت کے ریکارڈ پر لائے۔ ڈیڑھ ہزار سال میں لکھی جانے والی قرآنی تفاسیر اور فقہی آرا کے ایک عظیم علمی اثاثے سے سود سے متعلق مباحث عدالت کے سامنے لائے گئے۔ اسی طرح خود عدالت کے وضع کردہ سوالات کے ضخیم تحریری جواب نامے داخل کیے گئے۔ قرآنِ مجید کے تراجم وتفاسیر کے علاوہ تقریباً دو ہزار احادیث کے حوالے بھی پیش کیے گئے۔

شریعت اپیلٹ بنچ کا تاریخ ساز فیصلہ

مارچ۱۹۹۹ء میں سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ نے سماعت شروع کی، تو ابھی جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کی دوسری بار منتخب شدہ حکومت کو اقتدار سے بے دخل نہیں کیا تھا۔ سپریم کورٹ کے پانچ ججوں پر مشتمل کورٹ نے تقریباً پانچ ماہ تک تفصیلی سماعت کے بعد فیصلہ محفوظ کرلیا، تب بھی نواز شریف ہی وزیراعظم تھے۔ تاہم، فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو نواز شریف رخصت ہوچکے تھے اور جنرل پرویز مشرف اپنے تمام تر آمرانہ جاہ وجلال کے ساتھ برسرِ اقتدار آچکے تھے۔

مشرف کی فوجی حکومت نے عدلیہ پر واضح کر دیا کہ ''وہ سُود کے خلاف فیصلے کو قبول نہیں کریں گے''۔ پھر فیصلہ سنانے کے خلاف ہر سطح پر سازشیں کی گئیں۔ بنچ نامکمل کرنے کے لیے جسٹس محمود احمد غازی کو سیکیورٹی کونسل کا حلف پڑھوا دیا گیا اور ایسا کرنے سے وہ جج نہ رہے، لیکن آئین کے مطابق ایک عالمِ دین سے بھی کام چل سکتا تھا، اس لیے بنچ نہ ٹوٹا اور ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کو پاکستان کی سپریم کورٹ نے تاریخ ساز فیصلہ سنا دیا۔ عدالت عظمیٰ کے اپیلٹ بنچ نے شرعی کورٹ کے فیصلے کی نہ صرف تصدیق وتوثیق کی، بلکہ تقریباً ۱۱۰۰ صفحات پر مشتمل تاریخ ساز فیصلہ سناتے ہوئے ''سُود کو غیرآئینی، غیرقانونی اور اسلامی احکامات کے منافی قرار دے دیا''۔

عدالت عظمیٰ کے طویل ترین تحریری فیصلے میں قرآن وسنت کے محکم دلائل اور گذشتہ صدیوں

کے نظائر کی بنیاد پر سُود کی ہر شکل کے لیے ابدی حرمت کا اعلان کیا گیا۔ اس پانچ رکنی بنچ میں جناب جسٹس خلیل الرحمٰن خان بطور چیئرمین شامل تھے، جب کہ جسٹس وجیہہ الدین، جسٹس منیر اے شیخ، جسٹس مفتی تقی عثمانی اور جسٹس ڈاکٹر محمود احمد غازی بطور ممبر شامل تھے۔

سپریم کورٹ کے اس قطعی فیصلے کے بعد ماہرین قانون کا بجا طور پر یہ خیال تھا کہ ''اس فیصلے کو چیلنج کرنے کی جسارت کوئی نہ کر سکے گا، پاکستان کی حکومت کو اس کے سامنے سر جھکانا پڑے گا اور ملک پر سے سُودی معیشت کے منحوس سائے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹ جائیں گے''۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ شریعت اپیلٹ بنچ کا تاریخی فیصلہ آیا، تو پرویز مشرف کی ڈکٹیٹر شپ شروع ہوچکی تھی۔

اب اس فیصلے کی عملی تنفیذ جنرل مشرف کے سپرد ہو چکی تھی، مگر جنرل مشرف نے سود کے خلاف اب تک کی پوری پیش رفت کو سبوتاژ کر دیا۔ ۲۰۰۰ء میں ان کے کہنے پر یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ نے شریعت اپیلٹ بنچ میں ایک درخواست دائر کی، جس میں ۱۹۹۹ء کے فیصلے کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ صحیح الفکر علما اور وکلا نے 'مشرف کے ارادے بھانپ کر یہ اعتراض اُٹھایا کہ بنچ کی تشکیل خلاف آئین ہے، مگر اس ناجائز عدالت نے سنی ان سنی کرتے ہوئے سماعت شروع کر دی۔ اس پر اسلامی نظریے کے حامی وکلا نے عدالت کی سماعت کے دائرۂ اختیار کے خلاف آواز اُٹھائی اور کہا، جن قوانین اور حقائق کا جائزہ سپریم کورٹ پہلے ہی لے چکی ہے اور عدالتِ عظمیٰ جن پر تفصیلی فیصلہ دے چکی ہے، اُنھیں نظرثانی کی آڑ میں دوبارہ نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ تاہم، مشرف مارشل لا کے تابع پی سی او عدالت نے سنی اَن سنی کرتے ہوئے مقدمے کی سماعت کے لیے انھی مباحث کو بنیاد بنایا جن پر سپریم کورٹ پہلے ہی سیر حاصل بحث کر چکی تھی۔ بنچ کے سربراہ جسٹس شیخ ریاض احمد چیئرمین، جسٹس وقاص محمد فاروق، جسٹس ڈاکٹر خالد محمود اور جسٹس رشید احمد جالندھری ارکان تھے۔ ان ججوں کے انداز فکر سے سب آگاہ تھے، اور اب یہ بات کوئی راز نہیں ہے کہ یہ بنچ تشکیل دیا گیا ہے۔ سود کے مخالف وکلا کے ساتھ عدالت کا سلوک حد درجہ غیر منصفانہ اور غیر دوستانہ اور غیر پیشہ ورانہ تھا، جب کہ بنک کے وکلا اور سرکاری وکلا کو زیر بحث مقدمے کو غلط رخ پر موڑنے کی پوری سہولت فراہم کی گئی۔

وفاقی شرعی عدالت اور پاکستان سپریم کورٹ کے اپیلٹ بنچ کے فیصلے آئین کے تقاضے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے قوانین اور مرضی کے مطابق تھے۔ یہ فیصلے اتنے واضح اور مبنی برحق تھے کہ اگر

نظرثانی کی اپیل کی ایک شرم ناک سازش نہ رچائی ہوتی اور بنچ کی تشکیل میں خفیہ مقاصد کارفرما نہ ہوتے، تو ان فیصلوں کی تائید وتصدیق ناگزیر تھی، لیکن مشرف آمریت سود کے ظالمانہ نظام کو باقی رکھنے پر تلی ہوئی تھی۔ سپریم کورٹ کی تاریخ میں یہ پہلا مقدمہ تھا، جس کا فیصلہ لکھنے کے بجائے اسے ماتحت عدالت کو واپس بھجوادیا گیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ سُود کے مخالفین کو واپس اس جگہ پہنچایا جائے جہاں سے سُود کے خلاف جدوجہد کا آغاز ہوا تھا۔ ۱۹۹۰ء میں سود کے خلاف مقدمہ وفاقی شرعی عدالت میں شروع ہوا تھا، ۱۰ برس بعد مشرف نے اسے ملیامیٹ کر کے پھر شرعی عدالت کو بھجوا دیا۔ اس کے بعد یہ کیس یکے بعد دیگرے تین حکومتوں نے (۱۵ سال تک) سرد خانے میں رکھا۔ پہلے مشرف، پھر آصف زرداری اور آخر میں نواز شریف کی حکومت نے اس مقدمے کی سماعت نہ ہونے دی۔ اگر کوئی سپریم کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹاتا تو اپیل مسترد کر دی جاتی تھی۔

سود کا مقدمہ اور قرآن وسنت سے مذاق

سپریم کورٹ کے نئے اپیلٹ بنچ میں نظرثانی کا مقدمہ لے جانے والے یو بی ایل کے وکیل راجا محمد اکرم نے دریدہ دہنی کی حد کر دی۔ انھوں نے قرآنی آیات کی سود کو 'حلال' کرنے والی خودساختہ تفسیر پیش کرتے ہوئے سود کو جائز قرار دیا۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً ۝ کی واضح تحریف کرتے ہوئے راجہ اکرم نے کہا، اس آیت میں سود سے متعلق اضعَافًا مُّضَاعَفَۃً کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور لوگوں کو دوگنا چوگنا سود وصول کرنے سے منع کیا گیا ہے، لیکن اگر سود کی رقم دوگنی چوگنی رفتار سے نہیں بڑھتی، تو ایسے سود کی اسلام میں اجازت ہے۔ حالانکہ یہ آیت سود کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں نازل ہی نہیں ہوئی تھی، یہ تو غزوۂ احد میں بعض مسلمانوں کے فتح مکمل ہونے سے پہلے مالِ غنیمت کی طرف راغب ہونے پر بطور تنبیہ نازل ہوئی تھی۔ مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

> اُحد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقعے پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لُوٹنے میں لگ گئے۔ اس لیے حکیمِ مطلق نے اس حالت کی اصلاح کے لیے زر پرستی کے سرچشمے پر بند

باندھنا ضروری سمجھا اور حکم دیا کہ سودخواری سے باز آؤ جس میں آدمی رات دن اپنے نفع کے بڑھنے اور چڑھنے کا حساب لگا تا رہتا ہے اور جس کی وجہ سے آدمی کے اندر روپے کی حرص بے حد بڑھتی چلی جاتی ہے۔

اس وکیل نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ سود کے متعلق قرآن وسنت کی ہدایات قانونی نہیں، بلکہ اخلاقی درجے کی ہیں۔ اس لیے سود کی حرمت کو پاکستان کے عوام پر بذریعہ قانون نافذ کرنا قرین انصاف نہیں۔ حالانکہ قرآن پاک کے سب سے بڑے مفسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے اور دینے والے اور سود لکھنے اور سود کی شہادت دینے والے پر اللہ کی لعنت فرمائی ہے۔

سود کا مقدمہ اکتیس برس سے عدالت میں

آج شریعت کورٹ میں سود کا مقدمہ قدیم ترین مقدمات میں شمار ہوتا ہے۔ شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ میں چلتے ہوئے اس کیس کو ۳۲ واں برس آ لگا ہے۔ اس عرصے میں پاکستان پر قابض بدعنوان حکومتوں نے دو اہم ترین فیصلوں کو نافذ ہونے دیا ہوتا، تو ملک اتنی بُری طرح سودی قرضوں میں جکڑا ہوا نہ ہوتا۔ ماضی کی سب حکومتوں کی یہی خواہش رہی کہ عدالتوں میں سود کے مقدمے کی سماعت میں تاخیر ہوتی رہے۔ چنانچہ گذشتہ ۳۰ برس میں تمام حکمرانوں کی طرف سے تاخیر در تاخیر کے سوا کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

اپریل ۲۰۱۷ء میں شرعی عدالت میں چوتھی مرتبہ اس کیس کی سماعت شروع ہوئی مگر پہلی سماعت کے بعد ہی کارروائی غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دی گئی۔ اس سماعت سے منفی اشارے ہی ملتے رہے۔ چند برس پہلے شریعت کورٹ میں سماعت شروع ہوئی تو اس دور کے چیف جسٹس صاحب کے جو ریمارکس اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں، وہ کسی طرح بھی شرعی عدالت کے چیف جسٹس کے شایانِ شان نہیں۔ انھوں نے بعض مجالس میں کھلے بندوں کہہ دیا: ''آج کے دور میں اسلام ناقابلِ عمل ہے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات آج کے معاشرے میں نافذ نہیں ہوسکتیں''۔ انھوں نے کہا: ''موجودہ دور میں اسے سود نہیں بلکہ نقصان کا ازالہ کہا جائے گا''۔ ان الفاظ سے ان کی واضح جانب داری ثابت ہوجاتی ہے۔ اگر چیف جسٹس کے موقف کو قبول کرلیا جائے تو پھر آئین پاکستان میں جن دفعات میں قرآن وسنت کے نفاذ اور حکومت کو ان کے نفاذ کا پابند بنایا گیا ہے، وہ بھی بے مقصد

اور محض نمایشی قرار پاتی ہیں اور پھر خود اس شرعی عدالت کے قیام کا ہی کیا جواز باقی رہتا ہے۔

سُود کا مقدمہ اور موجودہ حکومت کی ذمہ داری

آئینِ پاکستان کے تقاضے کے تحت چالیس برس پہلے سود کے خاتمے کے لیے جدوجہد شروع کی گئی تھی۔ دینی جماعتوں، اداروں اور افراد نے عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹائے، مقدمات چلے، مگر اس دوران حکمرانوں، افسر شاہی اور عدلیہ کے ایک حصّے نے سود کی بقا کے لیے پورا زور لگا دیا۔ سُودی معیشت کے خاتمے کے مطالبے کو نواز شریف، بےنظیر، مشرف اور زرداری کے اَدوار میں حکومتی وسائل سے ناکام بنایا گیا۔ سودی معیشت کو ختم کرنے کی تحریک کے خلاف ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۸ء تک نواز شریف نے ہر ممکن تدبیر کی۔ اور پھر جولائی ۲۰۱۸ء کے بعد عمران خان، سود کے دفاع کی ذمہ داری نبھار رہے ہیں۔ ان کے دورِ حکومت میں سود کے خاتمے کے سفر کا کوئی واضح اشارہ نہیں ملا۔

یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ اس مقدمے کی تازہ سماعتوں پر عمران خان حکومت کے رویے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سُود کو ختم کرنے کے بجائے وہ اس مقدمے کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ سرکاری وکیل نے شروع میں تو عدالت کو تسلیم کیا، مگر اب وہ اس کا یہ اختیار ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اٹارنی جنرل نے پہلے تو یہ کہا تھا کہ وہ خود پیش ہوکر چند معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن پھر ۳ فروری ۲۰۲۱ء کی سماعت میں حکومت نے سود سے متعلق کیس کی سماعت میں وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار کو چیلنج کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ''شرعی عدالت یہ کیس سننے کا اختیار ہی نہیں رکھتی۔ یہ آئین کی تشریح کا مقدمہ ہے۔ آئین کی تشریح صرف سپریم کورٹ کا اختیار ہے''۔

چیف جسٹس محمد نور مسکان زئی کی سربراہی میں تین رکنی بنچ نے جماعت اسلامی سمیت دیگر دینی جماعتوں کی جانب سے دائر کی گئی درخواستوں پر سماعت کی ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے پہلے تو عدالتی دائرہ اختیار کے حوالے سے اٹارنی جنرل کے موقف تبدیل کرنے کو مسترد کردیا تھا، مگر تازہ سماعت میں عدالتی دائرۂ اختیار کے حوالے سے درخواست پیش کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ عمران حکومت کی جانب سے تاخیری حربے استعمال کرنے کا دوسرا ثبوت اسٹیٹ بنک آف پاکستان کا رویہ ہے۔ عدالتی ہدایت کے باوجود اس سماعت پر بھی سٹیٹ بنک کی جانب سے تحریری جواب جمع نہیں کروایا گیا۔ اسٹیٹ بنک نے سودی نظام کے خلاف مقدمات میں طویل التوا کی درخواست

دی، جو شرعی عدالت نے مسترد کر دی۔ چیف جسٹس محمد نور مسکان زئی نے کہا ہے کہ ''سود کا خاتمہ آئینی تقاضا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا''۔

مولانا عبدالاکبر چترالی کا امتناع سود بل ۲۰۱۹ء

۲۰۰۲ء میں جب سود کے خاتمے کا مقدمہ مشرف کی خواہش پر شریعت کورٹ میں بھیج دیا گیا، تو اس مقدمے کے غم زدہ مدعیوں اور ورثاء میں جماعت اسلامی بھی شامل تھی۔ اگرچہ کچھ اور جماعتوں، اداروں اور افراد نے بھی سود کے خلاف مقدمے میں حصّہ لیا، لیکن حکومتی عدم دل چسپی اور حوصلہ شکنی کی وجہ سے بعض اوقات سماعت کے موقعے پر صرف جماعت اسلامی کے وکیل ہی نظر آتے تھے۔ مختلف حکومتوں کی خواہش تھی کہ سود کے خلاف پاکستانی عوام کی عدالتی جدوجہد ہمیشہ کے لے دم توڑ دے، مگر جماعت اسلامی اور اس کے وکلا کی بھرپور کوششیں جیسے تیسے اسے زندہ رکھنے میں کامیاب رہیں۔ فروری ۲۰۱۹ء میں جماعت اسلامی کے واحد رکن مولانا عبدالاکبر چترالی کا قومی اسمبلی میں سود کے خلاف بل پیش کرنا بھی جماعت اسلامی کی انھی کوششوں کا تسلسل ہے۔

مولانا چترالی نے امتناع سود کا بل پیش کیا، تو حزبِ اقتدار یا حزبِ اختلاف کے کسی رکن نے بل کی مخالفت نہیں کی۔ اس طرح بل قائمہ کمیٹی برائے قانون کو بھیج دیا گیا، تاہم کمیٹی کی سُست رفتار کارروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ عمران حکومت اور اپوزیشن دونوں ہی سود کے خاتمے میں زیادہ سنجیدہ نہیں۔ اس امتناع سود بل میں ۲۹ مقامات کو نشان زد کیا گیا ہے، جہاں سود کی ناپاک مداخلت اور سودی قوانین کو ہدف بنایا گیا ہے، جن کے ذریعے پاکستان میں سودی معیشت کو تحفظ حاصل ہے۔

مولانا عبدالاکبر چترالی نے قومی اسمبلی میں اپنے بل کے حق میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''قومی اسمبلی کے سپیکر اور وزیراعظم سمیت تمام ارکان اسمبلی نے پاکستان کے آئین پر حلف اُٹھایا ہوا ہے۔ اس آئین میں اللہ رب العالمین کو حاکم اعلیٰ اور قرآن وسنت کو سپریم لا تسلیم کیا گیا ہے۔ اس آئین میں اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ یہاں قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی نہیں کی جا سکے گی۔ اس آئین کی دفعہ ۳۸-الف کے تحت سود کا خاتمہ بھی ایک اہم آئینی تقاضا ہے۔ ہمارا آئین سود کو حرام کہتا ہے، مگر ہمارا عمل اس کے خلاف ہے۔ ہمارے سرکاری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۸ء تک پانچ برسوں میں پاکستان پر ۲۴/ارب ۳۲ کروڑ بطور سود

واجب الادا تھا۔سود کی ادائیگی کے لیے گذشتہ سال کے بجٹ میں تقریباً ۱۷۰۰/ارب روپے مخصوص کیے گئے تھے، جو اَب بڑھ کر ۳۰۰۰/ارب ہو چکے ہیں۔سود کی ہلاکت خیزی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارا پورا دفاعی بجٹ سود کی سالانہ قسط کے مقابلے میں نصف سے بھی کم ہے۔یعنی نہایت خطرناک رفتار سے سود کی ادائیگی کے لیے ہرگزرتے سال کے ساتھ بجٹ میں مختص رقم بڑھ رہی ہے۔ اگر ایک سال میں سود کی ادائیگی کے لیے بجٹ میں ایک ہزار ارب روپے سے زیادہ کا اضافہ ہوا ہے،تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آیندہ ایک دو سال میں سود کے لیے مختص بجٹ چار پانچ ہزار ارب تک پہنچ جائے گا۔اس تناظر میں کہا جاسکتا ہے مستقبل قریب میں پاکستان کا سارا بجٹ ہی سود کھا جائے گا۔اسلامی بنکاری میں اضافے کے خوش نما اعلانات تو بہت کیے گئے،مگر گذشتہ ۱۷برس میں ہم اسلامی بنکاری میں کوئی اضافہ نہیں کر سکے۔ملک میں ۸۴فی صد سودی بنکاری کے مقابلے میں اسلامی بنکاری کا حجم صرف ۱۶فی صد ہے''۔

قومی اسمبلی میں مولانا عبدالاکبر چترالی کے پیش کردہ 'امتناعِ سود بل' پر بحث ومباحثے کے بعد جب کچھ سب کمیٹیاں بنائی گئیں تو مولانا چترالی کے کہنے پر چند علما کو بھی سب کمیٹیوں میں شامل کیا گیا۔ انھوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ اس کمیٹی میں مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کو بھی شامل کیا جائے۔ ۱۹نومبر ۲۰۲۰ء کے اجلاس میں مفتی تقی عثمانی صاحب کا نام شامل تھا،لیکن انھوں نے اس اجلاس میں شرکت سے اس لیے معذرت کر لی کہ ان کو بتایا ہی نہیں گیا کہ وہ کس حیثیت سے شریک ہورہے ہیں۔اس کے بعد سے کمیٹی کا کوئی اجلاس نہیں بلایا گیا۔یاد رہے کہ مفتی صاحب ۱۹۹۹ء میں سپریم کورٹ کے اس شریعت اپیلٹ بنچ کے ایک اہم رکن تھے،جس نے سود کے خلاف فیصلہ لکھا تھا۔

'امتناعِ سود بل' کے موضوع پر قائمہ کمیٹی کے متعدد اجلاس ہو چکے ہیں۔ابتدائی اجلاسوں میں حکومتی مالیاتی پالیسی کی نمایندگی کے لیے سٹیٹ بنک کے اعلیٰ افسر شریک ہوتے رہے،جنھوں نے پورا زورسودی بنکاری کی حمایت پر لگادیا۔تیسرے اجلاس میں مولانا عبدالاکبراور سٹیٹ بنک کے ایک اہل کار کے درمیان سخت جملوں کا تبادلہ بھی ہوا۔اس موقعے پر مولانا چترالی نے مطالبہ کیا کہ آیندہ ماتحت افسروں کے بجائے گورنر اسٹیٹ بنک کو اجلاس میں بلایا جائے۔ چنانچہ چوتھے اجلاس میں گورنر سٹیٹ بنک اور وزیرخزانہ شریک ہوئے۔اس اجلاس کے آخر میں سٹیٹ بنک کے گورنر

نے درخواست کی کہ مذکورہ بل انھیں دے دیا جائے، تاکہ وہ متعلقہ افسروں کے ساتھ مشاورت کر کے آیندہ اجلاس میں قابلِ عمل تجاویز پیش کرسکیں۔ اس کے لیے انھوں نے دو ماہ کا وقت مانگا۔ کمیٹی نے دو ماہ دے دیے، دو ماہ مزید مانگے، وہ بھی دے دیے گئے۔ چار ماہ بعد پھر ایک ماہ کی مزید مہلت مانگ لی، مگر پانچ ماہ پورے ہونے سے پہلے کرونا کی وبا کا مسئلہ سامنے آ گیا، تو چار ماہ کی مزید تاخیر ہوگئی۔ اگست ۲۰۲۰ء میں انھوں نے کمیٹی کے سامنے جو رپورٹ پیش کی اس کا اس بل سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا، بلکہ یہ سٹیٹ بنک کی وہ پانچ سالہ رپورٹ تھی، جو بنک ۲۰۰۲ء سے پیش کرتا چلا آیا ہے۔ باعث حیرت بات یہ ہے کہ سٹیٹ بنک کی طرف سے پون سال گزرنے کے باوجود امتناع سود کے بل میں نہ تو کوئی ترمیم لائی گئی نہ کوئی تجویز ہی شامل کی گئی۔ اس پر مولانا چترالی صاحب نے سوال اٹھایا کہ ہمیں بتایا جائے اس رپورٹ کا ہمارے پیش کردہ امتناعِ سود بل سے کیا تعلق ہے؟

اگرچہ حزب اقتدار اور اپوزیشن کے متعدد ارکان نے مولانا عبدالاکبر چترالی صاحب کو یقین دلایا ہے کہ وہ اس بل کو پاس کرانے میں پوری مدد کریں گے، لیکن ماضی میں بھی کئی بار اس قسم کے خوش نُما وعدے کیے جا چکے ہیں، جن پر کبھی عمل نہیں کیا گیا۔ اگر موجودہ وفاقی حکومت بھی یہی چاہتی ہے کہ یہ بل بھی سُود کے خلاف سپریم کورٹ کے مقدمے کی طرح لٹکا رہے۔ اور حکومت کی جانب سے بھی وہی روایتی تاخیری حربے استعمال کیے جاتے ہیں، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چھیڑی ہوئی جنگ کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی اور سودی قرضوں سے نجات پانے کے بجائے نئے سودی قرضے چڑھائے جاتے ہیں، تو موجودہ حکومت بھی یاد رکھے کہ بدترین ناکامی اور ذلت ورُسوائی کے سوا اسے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔